# مُزَّمِّلُ سے مراد ہے کہ آپؐ استغفار کی چادر میں لپٹ گئے۔

# تَبَتَّلْ الی اللہ کے ذریعہ اپنے جسم کے زخم صاف کریں۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۲۶ / جون ۱۹۹۲ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور انور نے درج ذیل آیات کریمہ تلاوت کیں۔

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۲﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۴﴾ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۭ﴿۵﴾ اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ﴿۶﴾ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا ﴿۷﴾ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ﴿۸﴾ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا ﴿۹﴾ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۱۰﴾ (المزمل: ۲-۱۰)

پھر فرمایا:۔

یہ آیات قرآنیہ جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے چادر میں لپٹے ہوئے خدا کی رحمت کا انتظار کرنے والے قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا رات جاگ کر کاٹا کر سوائے اس کے کہ اس کا کچھ حصہ آرام کے لئے رکھ لے۔ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا یا تو نصف رات جاگ کر کاٹ اور نصف آرام کے لئے رکھ یا اس میں سے کچھ کم کر لے۔ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ

تَرْتِيْلًا اس میں سے کچھ اضافہ کر دے اور قرآن کریم خوش الحانی سے پڑھا کر۔ اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ہم تجھے ایک بہت ہی بوجھل بات بتانے والے ہیں ایسی بوجھل بات جس کو برداشت کرنا، جس کے تقاضے پورے کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْئًا لیکن اس کا علاج بھی تجھے بتاتے ہیں۔ رات کو اُٹھنا اور خدا کی عبادت کرنا نفس کو پاؤں تلے روندنے کے لئے سب سے بڑا اور طاقتور ذریعہ ہے وَاَقْوَمُ قِیْلًا اور سچی بات اور مضبوط بات وہی ہے جو رات کو اُٹھ کر کی جاتی ہے۔ اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبْحًا طَوِیْلًا دن بھر تیرے لئے بہت کام ہیں تو کاموں میں بے حد مصروف رہتا ہے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اپنے رب کا نام بلند کیا کر اور اس کا ذکر کیا کر وَ تَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا اور غیروں سے تعلق کاٹ کر کلیۃً اس کی طرف خالص ہو جا یعنی کاملۃً اس کا ہو جا یہاں تک کہ کسی غیر سے کوئی بھی تعلق نہ رہے رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وہ مشرق کا بھی رب ہے اور مغرب کا بھی رب ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وہی ایک خدا ہے جس کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا اسی پر توکل کر اور وہی تیرا وکیل ہے۔

ان آیات میں جو مضمون تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے اس سے متعلق حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا ایک بہت ہی عارفانہ اقتباس میں نے آج آپ کے سامنے پڑھنے کے لئے مخصوص کیا ہے لیکن اس سے پہلے میں مختصراً آپ کو بتاتا ہوں کہ دَنَا کے مضمون کے ساتھ ان آیات کا بہت گہرا تعلق ہے۔

اس سے پہلے گزشتہ خطبہ میں مَیں نے یہ بیان کیا تھا کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی سب سے اعلیٰ شان یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ اپنے رب کے قریب ہوئے اور اتنا قریب ہوئے کہ اُفق اعلیٰ تک آپ ﷺ کی رسائی ہوئی وہ اُفق اعلیٰ جس پر کسی اور نبی کی رسائی نہیں ہوئی تھی وہاں آپ ﷺ نے اپنے رب سے وہ سب کچھ پایا جو ایک بندہ پا سکتا ہے اور پھر اس سے بوجھل ہو کر، اس رحمت سے لد کر زمین کی طرف جھکے اور بنی نوع انسان کے لئے رحمۃ للعالمینؐ بنا کر بھیجے گئے۔

یہ مضمون اتنی عظمتوں اور رفعتوں والا مضمون ہے کہ عام انسان یہ سوچتا ہے کہ شاید میری وہاں تک رسائی ممکن ہی نہیں اس لئے یہ باتیں میرے لئے نہیں بلکہ مجھ سے بہت اونچی باتیں ہیں اور اس مضمون پر غور کرنے کے بعد بعض دفعہ دل میں تحریک اور تحریص ہونے کی بجائے عام انسان بجھ سا

جاتا ہے کہ کہاں وہ عظمتیں اور رفعتیں جن تک حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی رسائی ہوئی اور کہاں وہ بلند پروازیاں اور کہاں عاجز زمین کا کیڑا؟ یہ باتیں تو صرف حضورؐ ہی کے لئے خاص ہیں ہم لوگ اس میں مخاطب ہی نہیں اور ان باتوں کو قبول کرنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔ یہ خیال غلط ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب مضمون فصاحت و بلاغت کے ساتھ رفعتوں کے حوالے سے بیان کیا جاتا ہے تو انسان کا ذہن ایک ایسی فضاء میں اُڑنے لگتا ہے کہ اس کو حقیقت کی دنیا میں اس مضمون کو چسپاں کرنے کی توفیق نہیں ملتی اور اس کی تفصیل سے آگاہ نہیں ہوتا۔

قرآن کریم نے ان آیات میں جو میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں دَنَا کی کیفیت بیان فرمائی ہے فرمایا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کا دَنّو کیسے ہوا تھا۔ اور یہ وہ دنو ہے جس میں سے کچھ نہ کچھ حصہ ہر مومن پا سکتا ہے کیونکہ یہ ایک Realistic مضمون ہے ایک حقیقت پر مبنی مضمون ہے۔ اب یہ اونچی فضاؤں کی باتیں نہیں ہو رہیں۔ اس دنیا میں دنیا سے تعلق توڑنے اور خدا سے تعلق جوڑنے کا مضمون بیان ہوا ہے اور ایسے واقعاتی رنگ میں بیان ہوا ہے کہ انسانی ذہن رفعتوں میں نہیں الجھتا بلکہ دنیا کے عام حالات میں چلتے پھرتے اپنی زندگی پر اس مضمون کو چسپاں کرتے ہوئے اپنے حالات کا جائزہ بھی لے سکتا ہے اور اپنے لئے آئندہ لائحہ عمل بھی معین کر سکتا ہے۔ پس دَنَا کے مضمون میں آنحضور ﷺ کی رفعتوں کا ذکر فرما کر خدا تعالیٰ نے اس موقع پر آنحضور ﷺ کے ان کمالات کا ذکر فرمایا، ان محنتوں اور جدوجہد کا ذکر فرمایا جن کے نتیجہ میں آنحضور ﷺ کو رفعتیں عطا ہوئیں۔ یہ آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے ان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے چادر میں لپٹے ہوئے انسان مُزَّمِّلُ کی ایک عام تشریح یہ کی جاتی ہے کہ آنحضور ﷺ پر جب وحی نازل ہوئی تو واپس جا کر آپ نے اس وحی کے اثر کے نتیجے میں ایسی کیفیت محسوس کی جیسی کیفیت بخار چڑھنے سے پہلے ہوتی ہے یعنی آپؐ کی طبیعت پر اتنا غیر معمولی اثر تھا، اتنی قوی وحی تھی کہ اس کے بوجھ سے آپؐ کانپ رہے تھے اور اس موقع پر آپؐ نے زملونی فرمایا کہ مجھے چادر اوڑھ دو، مجھے کپڑے پہنا دو۔ یعنی جس طرح بیمار آدمی کہتا ہے کہ مجھ پر لحاف ڈال دو میں سردی محسوس کر رہا ہوں تو یہ کوئی ملیریا والی کیفیت تو نہیں تھی کہ زملونی فرما رہے تھے یہ تو ایک غیر معمولی طاقت وروحی کے نزول کے نتیجہ میں جسم پر جو دباؤ پڑا ہے اس سے یوں معلوم ہوتا ہے بدن پارہ پارہ ہو رہا تھا جیسے کہا جاتا

ہے کہ جسم Shatter ہو گیا اس وقت جو آپؐ نے سردی محسوس کی ہے اس کے نتیجہ میں فرمایا زملونی تو ایک معنی اس کا یہ کیا جاتا ہے کہ یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ اے وہ شخص جو میری وحی کے رعب تلے چادر میں لپٹ گیا ہے اور ایک مستقل معنی اس کا یہ ہے کہ وہ شخص جو دنیا سے تعلق توڑنے کے لئے اللہ کے لئے خالص ہونا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو سمیٹ رہا ہے اور لپیٹ رہا ہے۔ چادر گرمی سے بچاؤ کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے اور سردی سے بچاؤ کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ یہ ایک قسم کی Insulation ہے۔ ایک ایسی چیز جو ماحول سے کاٹتی ہے اور آپ کے بدن کو ماحول کے اثرات سے محفوظ رکھتی ہے تو اس کا دائمی اور مستقل معنی یہ ہے کہ اے میرے وہ بندے جو تمام دنیا سے کٹ کر میرے لئے خالص ہو جانا چاہتا ہے جو دنیا کے ہر قسم کے اثرات سے بچ کر اپنا قبلہ صرف مجھے بنانا چاہتا ہے اور میری تحویل میں آجانا چاہتا ہے میں تجھے اس کا علاج بتاتا ہوں کہ یہ کیسے ہوگا۔

پس پہلے دنیا سے کٹنے کا اور خدا کے لئے خالص ہو جانے کا ارادہ ہے۔ اس ارادے کے بعد اگلا قدم کیا ہے۔ فرمایا قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا. رات کو اُٹھا کرو وہ لوگ جو پانچ وقت کی عبادت کرتے ہیں ان کی عبادت میں کچھ نہ کچھ رات کا حصہ پایا جاتا ہے، مغرب کی نماز بھی رات کی نماز ہے عشاء کی نماز بھی رات کی نماز ہے اور صبح کی نماز کا ایک حصہ بھی رات ہی کی نماز کہلاتا ہے کیونکہ سورج غروب ہونے اور سورج چڑھنے کے مابین جو زمانہ ہے وہ رات کا زمانہ ہے لیکن اس میں جس عبادت کا ذکر ہے وہ اس کے علاوہ ہے اور وہ تہجد کی عبادت کا ذکر ہے۔ پس رات کے نصف سے مراد یہ نہیں ہے کہ سونے کے بعد اور عام طور پر صبح کی نماز پر اُٹھنے سے پہلے جو وقت ہے اس کا نصف اگر اس کا نصف کیا جائے تو آرام کے لئے بہت ہی تھوڑا وقت ملتا ہے پس رات کے نصف سے مراد یہ ہے کہ کچھ حصہ پہلے ہی عبادت میں کٹ جاتا ہے۔ مغرب کی نماز ہے وہ بھی عبادت میں صرف ہوتی ہے، پھر سُنتیں ہیں نوافل ہیں ہر شخص کو اپنی اپنی توفیق کے مطابق اس پر کچھ نہ کچھ وقت لگانا پڑتا ہے۔ پھر عشاء کی نماز اور اس کے تقاضے اور آگے اور پیچھے سُنتیں اور عبادتیں ہیں، پھر صبح کی نماز کی تیاری اور صبح کے وقت کی تلاوت یا نماز پر جانے سے پہلے سُنتیں یہ تو وہ حصے ہیں جو ہر مومن کو کچھ نہ کچھ نصیب ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ نصف رات اس کے علاوہ خدا کی خاطر صرف کیا کر۔

وہ جو نصف رات ہے۔ اس کے متعلق مختلف مفسرین نے مختلف اندازے لگائے ہیں یہ

مضمون جو یہاں بیان ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی خاص موسم میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور بعد کے بدلتے ہوئے موسموں کو مدنظر رکھتے ہوئے، سال کے مختلف حصوں کو مدّ نظر رکھتے ہوئے اس مضمون کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ سب سے چھوٹی رات گرمیوں کی رات ہوتی ہے۔ پس گرمیوں کی رات میں اگر نصف عبادت کی جائے تو کوئی بڑا وقت عبادت کا نہیں ہے۔ پس میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس آیت کا نزول گرمیوں میں ہوا ہے اور گرمیوں ہی سے بات شروع ہوئی ہے۔ فرمایا۔ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا گرمیوں کی راتیں تو اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ مغرب اور عشاء اور صبح کی عبادتوں کو اگر نکال دیا جائے تو پچھلی رات میں بہت تھوڑا وقت رہتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ بقیہ رات کا اکثر حصہ عبادت ہی میں خرچ ہو۔ پس فرمایا قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا تھوڑا سا وقت آرام کا ملے گا باقی وقت عبادت میں صرف کر۔ آگے پھر جب گرمیاں سردیوں کی طرف مائل ہوتی ہیں تو راتیں بڑی ہونے لگتی ہیں۔ پھر فرمایا نِصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا پھر اِلَّا قَلِيْلًا کی بجائے نِصْفَهٗٓ فرما دیا کہ ٹھیک ہے آگے راتیں لمبی ہونے والی ہیں اب اس کو آدھا کر دے اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا اور بھی تھوڑا سا کم کر دے پھر فرمایا اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا جب لمبی راتیں آئیں گی تو پھر عبادت کو کچھ لمبا بھی کر دیا کر کیونکہ جہاں آرام لمبا ہوگا وہاں عبادت بھی تو لمبی ہو جانی چاہئے تو ان معنوں میں سارے سال کی عبادتوں کا ذکر ان تین آیات میں بڑی لطافت کے ساتھ تدریجی اور ارتقائی رنگ میں بیان فرما دیا۔

اس کے بعد فرمایا اِنَّا سَنُلْقِيْ عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيْلًا ہم جو تجھے تیار کر رہے ہیں تو یہ دراصل اس وجہ سے تیار کر رہے ہیں کہ ہم تجھے ایک بہت ہی بوجھل بات بتانے والے ہیں بہت ہی عظیم بات بتانے والے ہیں اور اس نصیحت سے پہلے کی یہ تیاری ہے جو بات بیان فرمائی جائے گی اس کا تعلق اَلْمُزَّمِّلُ سے ہے۔ ایک ایسے شخص سے ہے جو پہلے ہی دنیا سے قطع تعلق ہو کر خدا کی طرف مائل ہونا چاہتا ہے فرمایا اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْئًا تمہیں دنیا سے تعلق توڑنے اور خدا کی طرف مائل ہونے کے لئے محنت چاہئے کیونکہ دنیا کے تقاضے اور اس کے لوازمات ہر طرف سے انسان کو چمٹے ہوئے ہیں ان سے الگ ہونا کوئی آسان کام نہیں ہے اس کے لئے رات کو اُٹھا کر کیونکہ رات کی عبادت نفس کو کچلنے کے لئے سب سے زیادہ طاقتور ذریعہ ہے وَطْئًا کہتے ہیں

پاؤں تلے روندنا یعنی اتنی محنت اس کام کے لئے کرنی پڑے گی کہ گویا اپنے نفس کو پاؤں تلے روندنا ہوگا، بار بار کچلنا ہوگا، جیسے ایک کیڑے کو کچلا جاتا ہے اور یہ روندنا ایک دن اور ایک رات کا روندنا نہیں ہے بلکہ زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ تمہیں زندگی کی ہر رات اپنے نفس کے خلاف جہاد کرنا ہوگا اور رات کو اس لئے فرمایا کہ دن کے وقت زندگی کے سو دوسرے تقاضے انسان کو لاحق ہو جاتے ہیں۔ کہیں ریاء کے خطرات پیدا ہو جاتے ہیں کہ کوئی شخص دیکھ رہا ہے، کہیں شرم و حیا مانع ہو جاتے ہیں۔ دن کی عبادت میں اگر ریا نہ بھی ہو تو دوسرے کے دیکھنے کے نتیجہ میں انسان خدا کے حضور تنہائی کا لطف حاصل نہیں کر سکتا اور بعض دفعہ دل میں جو بے اختیار کیفیت پیدا ہوتی ہے اور انسان ان کیفیات میں ایسی حرکتیں کرتا ہے، ایسے چہرے بناتا ہے، ایسے کلمات منہ سے نکالتا ہے کہ جن میں ایک قسم کا جنون سا پایا جاتا ہے اور یہ پسند نہیں کرتا کہ دنیا اس حالت کو دیکھ رہی ہو اس لئے رات کے وقت سے بہتر اور کوئی وقت نہیں ہے جبکہ باقی دنیا سوئی ہوئی ہوتی ہے گھر والے بھی یا آرام کر رہے ہیں یا دوسرے کمروں میں ہوں گے۔ تو رات کے وقت خدا تعالیٰ کے لئے علیحدگی اختیار کرنا یہ فطرتی لحاظ سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ سب سے زیادہ اس بات کے قریب ہے کہ آپ واقعۃً اللہ تعالیٰ کے لئے الگ ہو جائیں اور اس حالت میں آپ کو اللہ سے ایسی باتیں کرنے کا موقع مل سکتا ہے جو عام دنیا کے روزمرہ کے زندگی کے حالات میں نہیں مل سکتا۔ فرمایا وَاَقْوَمُ قِيْلًا اور رات کی بات میں اصل وزن ہے کیونکہ اس وقت تم خدا سے جو باتیں کرتے ہو اس میں کسی اَور مقصد کی ملونی ہو ہی نہیں سکتی۔ کوئی آدمی پاگل تو نہیں کہ گرمیوں کی رات، چھوٹی سی رات جس کا کچھ وقت مغرب اور عشاء میں گزر گیا کچھ صبح کی تیاری میں اور جو تھوڑا سا وقت ملا اس کو بھی نصف یا اس سے کچھ زیادہ عبادت میں صرف کر دے۔ تو رات کا وہ اُٹھنا اس کی سنجیدگی، اس کے اخلاص اور اس کے محض للہ عبادت کرنے پر گواہ بن جاتا ہے۔ فرمایا ایسی صورت میں جب تم خدا سے بات کرو گے تو خدا اس پر زیادہ توجہ دے گا اور خدا تعالیٰ یہ جان لے گا کہ تمہاری بات میں سچائی کا وزن ہے، سچی اور سیدھی بات کر رہے ہو اور اس کے نتیجہ میں تمہیں وہ طاقت ملے گی جس طاقت کی تمہیں اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا سے الگ ہونے کے لئے سخت ضرورت ہے۔ خدا سے طاقت حاصل کئے بغیر یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ انسان کلیۃً دنیا سے تعلق توڑ کر خدا کا ہو جائے۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا یعنی

دلیل دے رہا ہے کہ دن کو تو اور بھی بہت سے کام ہیں رات میں جو مصلحتیں ہیں ان کے علاوہ ایک مشکل یہ بھی ہے کہ دن کے وقت اگر تم علیحدہ کوٹھڑی میں چھپنا بھی چاہو تو چھپ نہیں سکتے۔ لوگ تمہیں ہر وقت کاموں کے لئے بلا رہے ہیں ادھر سے آواز آرہی ہے اُدھر سے آواز پڑ رہی ہے یہاں تک کہ قرآن سے پتا چلتا ہے کہ بعض لوگ آنحضرت ﷺ کے گھر کی طرف چلتے ہوئے دور سے آوازیں دینے لگ جاتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے سخت ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور فرمایا ادب کا مقام ہے۔ آہستہ بولا کرو اگر تم رسول کے سامنے اونچی آواز کرو گے تو تمہارا ایمان ضائع ہو جائے گا، تمہارے اعمال بے کار جائیں گے تو خدا تعالیٰ کا یہ شدت کے ساتھ ناراضگی کا اظہار ہے یہ صاف بتا رہا ہے کہ بکثرت ایسا ہو رہا تھا اور ضرورت مند دیوانے ہوتے ہیں وہ آنحضور ﷺ کی طرف لپکتے ہوئے بعض دفعہ اونچی آوازوں سے بلانا شروع کر دیا کرتے تھے مگر دن رات میں سے بہت تھوڑا وقت تھا جو آنحضور ﷺ کا اپنا وقت تھا۔ باقی سب بنی نوع انسان کے لئے خدا کے کاموں کے لئے وقف تھا۔ خدا فرماتا ہے کہ اس وقت میں سے اُٹھا کرو جو خالصۃً تمہارا ہے اس میں جب خدا کو دو گے تو یہ تمہارے اخلاص پر بھی دلالت کرے گا اور عقلاً بھی اس کے سوا کچھ کیا نہیں جا سکتا۔

دن کے وقت تو تم عبادت کے لئے کلیۃً الگ نہیں ہو سکتے وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ جو بات بیان فرمائی گئی تھی کہ ہم تجھے بہت ہی بوجھل بات بتانے والے ہیں وہ یہ ہے کہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا اللہ کا نام بلند کیا کرو اور مقصد یہ ہے کہ خدا کا نام لیتے لیتے دنیا کے سب نام رفتہ رفتہ تمہارے ذہن سے اُٹھ جائیں اور دنیا سے کامل طور پر تعلق ٹوٹ جائے تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا تَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا دنیا کی ہر چیز سے تعلق توڑ کر کلیۃً خدا کے ہو جاؤ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ تب تمہارے لئے تمہارا رب مشرق اور مغرب کا رب بن کر اُبھرے گا پھر جس طرف تم منہ کرو گے وہاں رب ہی رب ہوگا اور کوئی وجود باقی نہیں رہے گا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یہ معنی ہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے زبان سے تو لاکھوں کروڑوں اربوں لوگ اقرار کرتے رہے، کرتے رہیں گے مگر ان کو کیا پتا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کیا ہوتا ہے۔ فرمایا پھر ایک ہی خدا رہ جائے گا اور کچھ نہیں رہے گا فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا پھر اس کو اپنا وکیل بنا۔ لوگ کہتے ہیں ہم خدا پر توکل کرتے ہیں یہ نہیں پتا کہ توکل کیسے کیا جاتا ہے؟ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک ہے دَنَا کا حصہ اور

دَنَا جب ہو جائے تو پھر خدا تعالیٰ سے قرب حاصل کر کے اس سے طاقت حاصل کر کے جب انسان دنیا کی طرف دوبارہ جھکتا ہے تو وہ کامل طور پر متوکل ہو جاتا ہے اور خدا ہر معاملے میں اس کا وکیل رہتا ہے اور کبھی بھی وہ خدا کی وکالت سے باہر نہیں ہوتا۔

تَبَتَّلْ کا مضمون ایسا ہے کہ اگر انسان پوری طرح سمجھ جائے تو خوف سے لرزنے لگے اور اس وقت زملونی کے معنی سمجھ آتے ہیں اس کے بغیر سمجھ نہیں آسکتے۔ دنیا کے ہر تعلق سے اپنا تعلق اس طرح توڑنا کہ خدا کے مقابل پر اس کو ذہنی طور پر اور قلبی طور پر قربان کرنے کا فیصلہ کر لینا اس کا نام تَبَتَّلْ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب اللہ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کرو تو آپ کا چونکہ تَبَتَّلْ ہو چکا تھا اس لئے آپ ذہنی طور پر اور قلبی طور پر اس وقت سے تیار بیٹھے تھے۔ صرف انتظار فرما رہے تھے کہ کب یہ بیٹا جوان ہو اور اس کو خدا تعالیٰ نے جو انفرادی حق عطا فرمایا ہے اس حق کو خود استعمال کرے اور میری نصیحت پر عمل کرتے ہوئے خود اپنے آپ کو پیش کرے تب میں اسے ذبح کروں گا لیکن اپنے طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام ذبح کرنے کے لئے تیار بیٹھے تھے۔ پس تَبَتَّلْ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر تعلق کو کلیۃً توڑ ڈالے۔ تَبَتَّلْ کا مطلب یہ ہے کہ ہر تعلق کو ذہنی اور قلبی طور پر توڑنے کے لئے اس سچائی کے ساتھ تیار ہو جائے کہ جب بھی آزمائش میں ڈالا جائے ہمیشہ پورا اُترے اور یہی مضمون حضرت ابراہیمؑ کے لئے قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ جب بھی اللہ نے اس کو آزمایا اس کو پورا پایا اس کو سچا پایا۔ ہر آزمائش پر وہ پورا اُترا۔

اب تَبَتَّلْ ایک ذہنی اور قلبی Exercies ، ایک کسرت اور ورزش کا نام ہے اور یہ ورزش رات کو اُٹھ کر صحیح معنوں میں ہوتی ہے اور انسان اپنے اوپر نظر ڈالتا ہے۔ اپنے حالات پر نظر ڈالتا ہے تو جگہ جگہ اپنے آپ کو وہ اس طرح باطل سے چمٹا ہوا دیکھتا ہے یا دنیاوی لذتوں کے ساتھ اس طرح آلودہ پاتا ہے کہ اس وقت اس کو سمجھ آتی ہے کہ اگر اس حالت میں میں ان سے علیحدگی اختیار کروں تو سخت زخمی ہو جاؤں گا اور مجھے توفیق نہیں ملے گی کہ اس درد کو برداشت کر سکوں۔ اس کے لئے تیاری کیسے کی جاتی ہے یہ شفاء پانے کا ایک مستقل سلسلہ ہے جو رفتہ رفتہ قدم قدم جاری رہتا ہے اور اپنے منتہیٰ کو اور کامل منتہیٰ کو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کی ذات میں پہنچا اور باقی سب کے لئے ایک سفر کا نام ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے زخم کے اوپر کھرنڈ یا ایک چھلکا سا آجاتا ہے۔ اس

چھلکے کے ساتھ بدن کا ایک تعلق ہوتا ہے۔ جب تک وہ زخم شفاء نہ پا جائے وہ چھلکا علیٰحدہ نہیں کیا جا سکتا، علیحدہ کرنے کی کوشش کریں گے تو شدید تکلیف بھی ہوگی اور فائدہ بھی کچھ نہیں ہوگا کیونکہ بدن کا وہ حصہ علیحدگی کے لئے تیار ہی نہیں ہے۔ جو بیمار حصہ ہے اس کی بیماری کا مطلب یہ ہے کہ اس کو اس چھلکے کی ضرورت ہے اس کے بغیر وہ رہ ہی نہیں سکتا اور صحت مند بدن کا ایک بیرونی چھلکے پر انحصار یہی ایک گناہ ہے اور یہی بیماری ہے پس بدن کا بیمار حصہ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا شفاء نہ پا جائے اور اس چھلکے کی ضرورت سے آزاد نہ ہو جائے اس وقت تک اس کے چھلکے کا رہنا لازم ہے اس کو زبردستی کاٹ کر پھینکیں گے تو بے فائدہ ہوگا۔

شفاء پانے کا جو یہ مضمون ہے اسے قرآن کریم نے بہت کھول کر بیان فرمایا کہ یہ محنتیں کرو تو پھر تم رفتہ رفتہ شفاء پاؤ گے، ہم نے دنیا میں دیکھا ہے کہ بعض لوگوں کے چھلکے خود بخود اُترتے ہیں کیونکہ وہ ان کو چھیڑتے نہیں ہیں اور ان کے بدن کو کلیۃً یہ موقع میسر آتا ہے کہ غیر کی دخل اندازی کے بغیر وہ آہستہ آہستہ صحت پاتے چلے جاتے ہیں۔ پس وہ بیمار حصے جب صحت پا جاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس چھلکے کی ضرورت ہی کوئی نہیں تھی۔ ذرا سی انگلی لگی کپڑا سرکایا تو ساتھ ہی وہ چھلکا اتر کر نیچے گر جاتا ہے اور آپ کو کبھی احساس بھی نہیں ہوا کہ اس کے نتیجہ میں آپ کو کوئی نقصان ہوا ہے لیکن اس کے بعد کچھ کھجلی رہتی ہے اور وہ جو کھجلی ہے وہ پھر بیماری کو دعوت دینے کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔ جب گناہوں سے انسان اپنا تعلق توڑتا ہے تو شفاء کی ایک منزل تو وہ ہے کہ چھلکا اتر جاتا ہے۔ تَبَتَّلْ کا ایک مقام حاصل ہو گیا لیکن جب تک کھجلی باقی ہے پورا تَبَتَّلْ نہیں ہو سکتا۔ کھجلی کے نتیجہ میں بندر مثلاً بار بار اس صحت والے حصے کو کھجاتے ہیں اور زخم بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح بچوں کے متعلق آتا ہے کہ بندر اور بچے دونوں ہی اپنے زخم کو صحت پانے کے بعد پھر کھجا کھجا کر دوبارہ بیمار کر لیتے ہیں۔ اس لئے ان کے متعلق خاص احتیاط کرنی پڑتی ہے۔ انسانوں میں سے بھی ایسے ہوتے ہیں اور اکثر ایسے ہوتے ہیں کہ بڑی محنت کر کے ایک گناہ سے تعلق توڑا اور تَبَتَّلْ اختیار کیا، گناہ کا چھلکا اُتر گیا اور کھجلی باقی رہ گئی اور کھجلی نے پھر آخر چھیلنے پر مجبور کر دیا اور پھر وہی چھلکا اور پھر وہی سلسلہ۔ تو بجائے اس کے کہ ایک زخم کے بعد دوسرا زخم مندمل ہو ایک ہی زخم کے ساتھ جھگڑے ساری عمر کے جھگڑے بن جاتے ہیں اور عام دنیا میں اکثر آدمی ایسے ہیں کہ ان کا بدن چھلنی ہوتا ہے۔ آپ

اپنے اوپر غور کر کے دیکھیں جن کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے برکت نصیب ہوئی ہوئی ہے۔ حضرت امام مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مانا اور آپ کی وساطت سے اور آپ کے زاویے سے آنحضور ﷺ کا نور آپ کی ذات پر بڑی شان کے ساتھ چمکا ہے۔ اس کے باوجود اگر رات کو اُٹھ کر اپنے نفس کا تجزیہ کریں تو آپ حیران ہوں گے کہ آپ کے بدن پر کتنے پھوڑے ہیں۔ ہم میں سے ہر ایک کا یہی حال ہے۔ ان پھوڑوں کی نشاندہی شفاء کی طرف پہلی منزل ہے اور وہ لوگ جو سو جاتے ہیں وہ نشاندہی نہیں کر سکتے۔ راتوں کو اُٹھنے کا اس مضمون سے دہرا تہرا تعلق ہے۔ روحانی معنوں میں ایک پیغام ہے کہ تم سوئے رہو گے تو کیسے پتا چلے گا کہ تمہارے زخم پر کیا کیا داغ ہیں اور کہاں کہاں سے چھلنی ہوا پڑا ہے۔ اُٹھو گے یعنی نفس کو بیدار کرو گے تو پھر ان باتوں کی سمجھ آئے گی پس راتوں کو تمہارا جسم بھی بیدار ہو اور نفس بھی بیدار ہو اور ان دونوں بیداریوں کے ساتھ تم اپنے حالات کا جائزہ لو تو پھر تمہیں معلوم ہو گا کہ تمہارے جسم پر جگہ جگہ کئی قسم کے پھوڑے پھنسیاں اور زخم موجود ہیں اور ان زخموں کی وساطت سے تم دنیا سے چمٹے ہوئے ہو۔ پس تَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا خدا کی طرف تَبَتَّلْ اختیار کرو۔

آنحضور ﷺ کو جو مثال بنایا گیا تو اس سے ہرگز یہ مراد نہیں ہے کہ **نعوذ باللہ من ذلک** آنحضور ﷺ کے بدن پر زخم تھے۔ اس مضمون کی نفی پہلی آیت نے کر دی ہے فرمایا يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ تجھ پر تو استغفار کی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے تیرے بدن سے باہر کی فضا کا تعلق ٹوٹ چکا ہے اب اندر کا ایک سفر ہے جو چادر کے اندر سفر ہوتا ہے یعنی دنیا سے تعلق توڑنے کے بعد پھر ایک اور تَبَتَّلْ کا مضمون شروع ہو جاتا ہے اور وہ یہ ہے کہ باریک در باریک تعلقات میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اندرونی صفائی۔ اس کا تعلق جلد کے زخموں سے نہیں ہے۔ اس کا تعلق روح کے اندر چھپی ہوئی مخفی حالتوں اور کیفیات سے ہے اور ان کیفیات میں اتر کر جب انسان اپنے آپ کو کھنگالتا رہتا ہے تو پھر کثرت سے استغفار کرتا ہے اور یہی وہ استغفار تھی جو حضرت اقدس محمد رسول اللہ ﷺ کی استغفار تھی۔ آپؐ کے بدن پر کوئی چھلکے نہیں تھے چادر تھی اور وہ استغفار کی چادر تھی اس کے بعد آپؐ نے اندرونی سفر اختیار فرمایا اور اس سفر کے دوران آپؐ کے درجات بلند ہوتے رہے یہاں تک کہ آپؐ اس آخری مقام پر پہنچے جس کا نام اُفق اعلیٰ ہے۔ یعنی سب اُفقوں سے بلند اُفق جس تک انسان کی رسائی ہو سکتی تھی آپؐ وہاں تک پہنچے۔

اور دنیا کی طرف واپس لوٹنے سے پہلے یہ تَبَتُّل ضروری ہے اس لئے اس مضمون کا سمجھنا آپ کے لئے بہت ہی اہمیت رکھتا ہے۔ جنہوں نے دنیا کو دعوت الی اللہ دینی ہے ہر دعوت الی اللہ دینے والا بعض حصوں میں دعوت دینے کا اہل ہے اور بعض حصوں میں دعوت دینے کا اہل نہیں ہے۔ جن زخموں سے وہ شفاء پا چکا ہے جن زخموں کے چھلکے اس کے بدن سے اتر چکے ہیں جن زخموں کی کھجلی بھی مندمل ہو چکی ہے اور اس کے ناخن کو اپنی طرف کھینچتی نہیں ہے ان حصوں میں ایک انسان دعوت الی اللہ کا مستحق ہوتا جاتا ہے اور ان حصوں میں خدا کا تعلق قائم ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ مضمون سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اگر آپ یہ مضمون نہیں سمجھیں گے تو بڑی سخت مایوسی پیدا ہوگی۔ اگر یہ انتظار کیا جائے کہ سارا بدن صحت مند ہو جائے سارے چھلکے اُتر جائیں۔ ان چھوڑی ہوئی جگہوں کو کامل شفاء ہو جائے اور چھلکوں کی ضرورت کا وہم و گمان بھی دوبارہ دل میں نہ گزرے اور ناخن اس طرف کبھی نہ بڑھیں تو اس کے بعد ہم پوری طرح تبتل الی اللہ کریں گے اور خدا کی طرف دنّو کریں گے اگر یہ خیال ہو تو ہم میں سے اس زمانہ میں اللہ کی عطا کردہ توفیق سے شاید ہی کوئی ہو جسے یہ مرتبہ عطا ہو جائے ورنہ یہ ناممکن ہے لیکن قدم قدم بلندیوں کی طرف بڑھنا ممکن ہے۔

اس لئے اس مضمون کو سمجھنے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں آپ سُنیں گے تو پہلے آپ کا دل دہل جائے گا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ان رفعتوں سے کلام کر رہے ہیں جن تک پہنچنے کی خدا نے آپ کو توفیق بخشی۔

آنحضور ﷺ کی پیروی میں آپ نے بھی ایک تَبَتُّل اختیار فرمایا اور ان فضاؤں میں اُڑنے لگے جن فضاؤں کی طرف آنحضور ﷺ نے تمام بنی نوع انسان کو اُڑنے کی دعوت دی تھی اور بلندیوں سے مخاطب ہو رہے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہم نفس کے کیڑوں کو کوئی اوپر سے آواز دے رہا ہے کہ ادھر آؤ اور ادھر آؤ اور ادھر آؤ اور جس طرح میں جدوجہد کر کے اور قربانیاں کر کے ان بلند مقامات پر فائز کیا گیا ہوں تم بھی انہی مقامات کی طرف آگے بڑھو لیکن سُننے والے کیڑے ہیں مکوڑے ہیں ایسے ہیں جن کے پر جل چکے ہیں اور ایسے ہیں جن کو ابھی پر عطا ہی نہیں ہوئے اور ہزار ہا قسم کی گندگیوں میں ملوث ہیں ان کے لئے کتنی لمبی منازل ہیں جن سے گزر کر انہیں پر پرواز عطا ہوگا۔ ان باتوں کو سوچ کر انسان کا دل بیٹھ جاتا ہے لیکن جب آپ اس مضمون کو سمجھتے ہیں کہ بے شمار

بیمار ایسے ہوتے ہیں جن کے بدن پر کئی قسم کی آلائشیں لگی ہوتی ہیں کئی قسم کے پھوڑے اور پھنسیاں اور زخم لاحق ہوتے ہیں وہ ایک دم تو شفاء نہیں پا جایا کرتے۔ شفاء کی کوشش کرتے ہیں اور جب اخلاص کے ساتھ کوشش کرتے ہیں تو ایک زخم ٹھیک کرنے کے بعد رک نہیں جایا کرتے بلکہ آگے بڑھتے ہیں اور دوسرے زخم کو بھی ٹھیک کرتے ہیں اور تیسرے کو بھی کرتے ہیں اور چوتھے کو بھی کرتے ہیں یہاں تک کہ بعض ایسے جسم ہیں جن پر مچھلی کے چانوں کی طرح زخم ہوتے ہیں اور ایک ایک زخم کو مندمل کرنے کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے۔ تو جس کو اللہ سے تعلق ہے تو وہ پہلے اپنی ذات میں تَبَتُّل کا مضمون جاری کرے گا تب یہ حق اس کو عطا ہوگا کہ وہ بنی نوع انسان کو خدا کی طرف بُلائے یہ ضروری نہیں کہ کامل شفاء کے بعد بلائے۔ وہ ایک داغ بھی تو دکھا سکتا ہے کہ دیکھو مجھ میں یہ داغ تھا جو خدا نے اپنے فضل سے دور فرما دیا اور صحت عطا فرمائی تم بھی اسی راستہ کو پکڑو، تم بھی اپنے رب سے تعلق باندھو تو اللہ تعالیٰ تمہیں شفاء عطا فرمائے گا اور اس کے نتیجہ میں تمہیں تو کل نصیب ہوگا۔

دَنَا کے بعد تَدَلّٰی کا جو مضمون ہے اس پر جیسا کہ میں نے بیان کیا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک انقلابی روشنی ڈالی ہے، عرفان کا ایک حیرت انگیز سمندر ہے جو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جوش مار رہا ہے اور اس سمندر سے وہ موتی نکلے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر میں جُڑے ہوئے ہیں۔ بہر حال جس رنگ میں بھی آپ اس کو بیان کریں جب آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے دَنَا اور تَدَلّٰی کا مضمون پڑھتے اور سمجھتے ہیں تب آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کیا مقام اور مرتبہ تھا۔ اس سلسلہ میں جو تحریر میں نے آج پڑھنے کے لئے اختیار کی ہے اس کا تو اب وقت نہیں رہا میں گھڑی دیکھ رہا ہوں صرف دس منٹ رہ گئے ہیں اور وہ تحریر لمبی ہے اور اس میں بعض جگہ ٹھہر ٹھہر کر آپ کو مضمون سمجھانے بھی ہوں گے۔ اسے تو میں اگلے جمعہ کے لئے رکھتا ہوں لیکن آنحضور ﷺ کی ایک اور تحریر دَنَا اور تَدَلّٰی کے سلسلہ میں میں پیش کر دیتا ہوں اور آج کے خطبہ میں اسی پر اکتفا کروں گا۔

فرماتے ہیں۔

> ''دَنَا فَتَدَلّٰی (النجم:۹) آنحضور ﷺ کی شان میں آیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اوپر کی طرف ہو کر نوعِ انسان کی طرف جھکا۔...''
>
> (ملفوظات جلد چہارم صفحہ ۳۵۶)

پہلے خدا سے تعلق جوڑا پھر اس کے بعد بنی نوع انسان کی طرف جھکا۔

’’... آنحضرت ﷺ کا کمال اعلیٰ درجہ کا کمال ہے جس کی نظیر نہیں مل سکتی اور اس کمال میں آپ کے دو درجے بیان ہوئے ہیں ایک صعود اور دوسرا نزول...‘‘

صعود معنی اوپر چڑھنا اور نزول معنی واپس آنا۔ حضرت مسیحؑ کے متعلق جو نزول کا لفظ آیا ہے اگر آپ انہی معنوں کو اس پر اطلاق کر کے سمجھیں تو آپ کو سمجھ آئے گی نزول کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے خدا کی طرف جائے گا خدا سے حاصل کرے گا پھر وہ تمہاری طرف جھکے گا ورنہ دنیا میں کسی انسان کو یہ توفیق نہیں ہے نہ اس منصب پر اسے فائز کیا جا سکتا ہے کہ وہ مہدی بن جائے یا عیسیٰ دوراں ہو، مسیح دوراں بن جائے جب تک وہ پہلے خدا کی طرف رجوع نہ کرے اور صعود نہ کرے اور پھر نزول نہ کرے۔ اس وقت تک وہ تمہیں شفاء دینے کی اہلیت نہیں رکھ سکتا۔ پس نزول میں یہ وہ پیغام تھا جو دنیا کے اندھے نہیں سمجھ سکے اور اپنی زبان میں اس کے پتا نہیں کیا کیا مطلب کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اس مضمون کو ناممکن بنا دیا جسم کی حد تک محدود کر دیا۔ نہ کبھی کوئی جسم اُترے اور نہ کبھی دنیا کو اس پر ایمان لانے کی توفیق ملے گویا اس مضمون کو نہ سمجھ کر ہمیشہ کے لئے مسیحیت کی صف لپیٹ دی گئی ہے۔ بہر حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ پہلا صعود ہے پھر نزول ہے۔ اسی کو اچھی طرح یاد رکھو جس کا صعود ہوتا ہے اس کا نزول ہوتا ہے اور قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کے سوا دنیا کے کسی نبی کے لئے نزول کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔

میں نے بہت غور کیا حالانکہ تمام نبیوں کا صعود ہوتا ہے اور نزول ہوتا ہے لیکن اپنے معنوں میں سب سے اعلیٰ درجے کا صعود آنحضرت ﷺ کو نصیب ہوا اور انہی معنوں میں آنحضور ﷺ کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ نہ ابراہیمؑ کے نازل ہونے کا ذکر، نہ موسیٰؑ کے نازل ہونے کا ذکر، نہ عیسیٰ کے نازل ہونے کا ذکر یعنی پہلے عیسیٰؑ کا اور نہ آدمؑ کا نہ کسی اور نبی کا۔ قرآن میں خدا نے محمد رسول اللہ ﷺ کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا اور آپؐ نے اپنے غلام کامل کے نازل ہونے کا ذکر فرمایا۔ یہ وہ مضمون ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں کہ پہلے صعود ہوگا پھر نزول ہوگا۔

’’... اللہ تعالیٰ کی طرف تو آپؐ کا صعود ہوا یعنی خدا تعالیٰ کی محبت اور صدق و وفا میں ایسے کھینچے گئے کہ خود اس ذات اقدس کے دنّــو کا درجہ آپؐ کو عطا ہوا۔...‘‘

کھینچے جانے کا مطلب دراصل تبتل ہے اور اس مضمون کو میں آئندہ انشاء اللہ مزید تفصیل سے بیان کروں گا۔ فرماتے ہیں ایسے کھینچے گئے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کو دنّو کا درجہ عطا ہوا ہے۔

’’...دنو اقرب سے ابلغ ہے۔...‘‘

یعنی ایک لفظ ہے اقرب یعنی قریب ترین۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اقرب کے مقابل پر دنّو کا لفظ زیادہ فصیح و بلیغ ہے۔ اس سے زیادہ فصیح و بلیغ لفظ ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ اقــرب میں تو یہ معنی بھی پائے جاسکتے ہیں کہ ویسے ہی خدا نے تقدیراً کسی کو اپنے قریب رکھ لیا ہے مگر دَنــو میں پورے سفر کا حال بیان ہوا ہے۔ دنیا سے سفر شروع کیا ہے اور عروج کے اس اعلیٰ مقام تک پہنچے ہیں اور اس سارے سفر کی تمام منازل سے واقف ہوئے اور درجہ بدرجہ ترقی پانے کے سارے راز آپؐ نے پائے۔ تب آپؐ بنی نوع انسان کے استاد مقرر ہوئے کیونکہ ہر منزل کے ہر راز سے واقف بنائے گئے پس جب آپ ان معنوں میں لفظ دَنو پر غور کرتے ہیں تو اقــرب کا لفظ اس کے مقابل پر محض ایک سطحی سا لفظ اور بے معنی سا لفظ دکھائی دیتا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ دنو اقرب سے ابلغ ہے اگر کوئی صاحب نظر انسان ہو تو اسی ایک فقرے پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا قائل ہو سکتا ہے۔ سخت ہی متعصب اور جاہل اور اندھا ہوگا جو یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا راز نہ پا سکے۔ پھر فرماتے ہیں۔

’’... اس لئے یہاں یہ لفظ اختیار کیا جب اللہ تعالیٰ کے فیوضات اور برکات سے آپ نے حصہ لیا۔...‘‘

یعنی دنیا سے کٹنے کے بعد خالی نہ رہے۔ خدا کے فیوض اور برکتوں سے حصہ پایا تو

’’... پھر بنی نوع پر رحمت کے لئے نزول فرمایا۔ یہ وہی رحمت تھی جس کا اشارہ مَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ (الانبیاء:۱۰۸) میں

فرمایا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے اسم قاسم کا بھی یہی سرّ ہے۔...''

آپؐ کو جو تقسیم کرنے والا بیان فرمایا ہے اس میں بھی یہی راز ہے فرماتے ہیں:

''... آپؐ اللہ تعالیٰ سے لیتے ہیں اور پھر مخلوق کو پہنچاتے ہیں پس مخلوق کو پہنچانے کے واسطے آپ کا نزول ہوا۔...''

یعنی تقسیم کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ آپ کی جھولی میں روحانی رزق ڈالتا ہے تو آگے آپ تقسیم کرتے ہیں اس کا نام ہے قاسم پھر فرمایا۔

''...اس دَنَا فَتَدَلّٰی میں اسی صعود اور نزول کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور یہ آنحضرت ﷺ کے علوّ مرتبہ کی دلیل ہے۔...''

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ: ۳۵۶)

آج کا مضمون میں یہیں تک پہنچا کر میں جماعت کو مختصراً یہ نصیحت کرتا ہوں کہ اگر آپ نے حقیقی معنوں میں داعی الی اللہ بننا ہے تو وہ سارے ذرائع جو میں آپ کے سامنے بیان کرتا رہا ہوں اور جدوجہد کے وہ تمام طریق جو آپ کو سمجھاتا رہا ہوں ان کو اختیار کریں لیکن ان ذرائع اور ان طریقوں میں جان تب پڑے گی اگر آپ کے اندر آسمان سے خدا تعالیٰ کی محبت کی جان پڑے گی اگر وہ جان آپ میں نہ پڑی تو وہ سارے ذرائع بیکار رہوں گے وہ مٹی کی مورتیں ہوں گی جن میں نفس نہیں پھونکا گیا۔ پس جب تک اللہ تعالیٰ کی ذات سے آپ کی ذات میں اور آپ کی کوششوں میں امر نہ پھونکا جائے اس وقت تک آپ زندہ نہیں ہو سکتے اور آپ کی کوششیں بالکل بیکار اور بے معنیٰ ہوں گی۔ پس آپ کو لازم ہے کہ اس جدوجہد میں خدا تعالیٰ سے زندگی حاصل کرنے کی کوشش کریں اور خدا تعالیٰ سے زندگی حاصل کرنے کا راز یہ ہے کہ دنیا کے تعلقات پر موت وارد کریں ایک حصہ ایک طرف سے مرے گا تو دوسری طرف سے زندہ ہوگا۔ جب تک موت اور زندگی کا یہ سلسلہ جاری نہیں ہوتا اس وقت تک ایک احمدی حقیقت میں داعی الی اللہ بننے کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ حق ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے اس سفر کا کوئی قدم بھی اس کو نصیب نہیں ہو سکتا۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سعید فطرت کو اس کی وجہ سے اس کی دعوت پر حق پانے کی توفیق عطا فرما دے لیکن ایسی دعوت جس کے نتیجہ میں غیر تو زندگی پا رہے ہیں اور انسان خود زندگی سے محروم ہو، یہ کیسی محرومی کی دعوت ہے کیسی بدنصیبی کی دعوت ہے۔ یہ تو

ایسی ہی دعوت ہے جیسے کہ کشمیریوں کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ غریب لوگوں کے لئے کپڑے بُنتے ہیں اور آپ ان کے بدن خالی اور ننگے ہوتے ہیں۔ بعض لوگوں نے اِسے یوں بیان کیا کہ غریب کشمیری کی مثال تو ایک سوئی کی طرح ہے جو لوگوں کے لئے ہر وقت محنت کے ساتھ ہر غوطے کے ساتھ ایک ٹانکا بھرتی اور اُن کے بدن ڈھانپنے کے سامان کرتی ہے لیکن آپ ہمیشہ ننگی رہتی ہے۔ تو خدا کرے کہ آپ وہ سوئی نہ بنیں جو لوگوں کے بدن ڈھانپے اور آپ ننگی رہے۔ خدا کرے کہ آپ محمد مصطفی ﷺ کی طرح وہ اوڑھنی پہننے والے بن جائیں جن کو یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کہہ کر مخاطب فرمایا گیا آپ کے گرد خدا کی رضا کی چادر ہو، مغفرت کی چادر ہو، استغفار کی چادر ہو اور اس چادر میں لپٹ کر آپ دنیا کو اپنی طرف بلائیں اور اس چادر میں رہتے ہوئے عبادت کے حق ادا کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین